© rasailojaraid.com

ایمان اور اسکے ثمرات و مضمرات

سورۃ تغابن کی روشنی میں (آخری قسط)

ڈاکٹر اسرار احمد

اب ایک اور پہلو پر آئیے۔ یہ نفسِ انسانی جس کے متعلق میں نے عرض کیا ہے اسے ذہن میں لائیے! یہ اس دنیا میں تنہا نہیں رہتا اور نہ رہ سکتا ہے۔ مدنیت اس کی جبلّت اور فطرت میں رچی بسی ہے۔ وہ مل جل کر رہنے کا خوگر ہوتا ہے۔ اس کا خاندان ہوتا ہے۔ اعزار و اقارب ہوتے ہیں۔ کچھ ایسے اسباب اور وسائل اس کی تحویل میں دیئے جاتے ہیں، جن سے وہ اپنی معاش حاصل کرتا ہے، کچھ خونی رشتے ہوتے ہیں، کچھ رشتے جذباتی ہوتے ہیں۔ تو ایک وہ شخص جو نہ آخرت کو جانے، نہ رسالت کو جانے، نہ توحید سے واقف ہو۔ اس کا رویہ اور طرزِ عمل ان رشتوں کے بارے میں کیا ہوگا؟ اور ایک وہ شخص جو توحید کا بھی قائل ہو، آخرت کا اور رسالت کا بھی مقر ہو۔ اقرار کر رہا ہے۔ ان تمام امورِ ثلاثہ پر یقین رکھتا ہے اس کا رویّہ (Attitude) ان رشتوں کے بارے میں کیا ہوگا۔ ان علائقِ دنیوی میں جو سب سے زیادہ قریب ترین ہیں۔ یوں کہنے کو تو اور ناطے بھی قریب کے کہہ لیں، لیکن اصل حقیقت یہی ہے انسان سے سب سے زیادہ قریب اس کی بیوی ہے اور اس کو سب سے زیادہ محبوب اُس کی اولاد ہوتی ہے۔ لہٰذا ان کو بطورِ علامت یہاں لے لیا اور ایک اصول کے طور پر بیان فرمایا " یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اِنَّ مِنْ اَزْوَاجِكُمْ وَاَوْلَادِكُمْ عَدُوًّا لَّكُمْ فَاحْذَرُوْھُمْ " اے ایمان والو! تمہاری بیویاں اور تمہاری اولاد (دین و ایمان کے معاملے میں) تمہاری دشمن ہیں، سو تم ان سے ہوشیار رہو۔" اس لئے کہ ان کی محبّت ہے تمہارے دل میں اور محبّت فطری ہے۔ چونکہ اس کے بغیر یہ نظامِ تمدّن قائم ہی نہیں ہو سکتا۔ یہ محبت نہ ہو تو یہ کچے دھاگے سے بندھے ہوئے ہیں۔ اسی محبت کے بل پر یہ سارا کھیل چل رہا ہے۔ اگر تجزیہ کرو تو یہ ساری بھاگ دوڑ، یہ مشقتیں اور یہ جو بھاری بوجھ انسان اٹھاتا ہے تو اسی فطری محبّت کے بل پر اٹھاتا ہے۔ ورنہ انسان سوچے کا ہے کو کھکیڑ مول لے۔ کیوں یہ گھر گرہستی کا

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

بوجھ سر پر لے۔ اطمینان سے کہیں رہے، ایک آزاد انسان کی حیثیت سے رہے لیکن یہ حقیقت ہے۔ فطرت ہے۔ یہ محبت جو بڑی ہی ضروری ہے۔ یہ بندھن نہ ہو تو یہ پورا شیرازہ تہذیب و تمدن بالکل منتشر ہو کر رہ جائے۔ لیکن جہاں اس کی یہ اہمیت و حقیقت ہے، وہیں اس میں ایک پُر قوت خطرہ (POTENTIAL DANGER) بھی مضمر ہے۔ یہ محبت ذرا بھی حدِ اعتدال سے تجاوز کر جائے، جادۂ اعتدال سے ذرا سی بھی ہٹ جائے تو بہت مہلک چیز ہے۔ تباہ و برباد کر دینے والی چیز ہے، عاقبت کی تباہی ہے۔ ان ہی کی محبت اور ان ہی کی فرمائشیں پوری کرنے کے لئے تم خدا کے حرام کے اندر منہ مارو گے، ان ہی کو بہتر سے بہتر کھلانے اور پہنانے کے لئے تم حدود اللہ کو پامال کرو گے۔ ان ہی کے آسائش اور آرام کے لئے تم خدا کے مقرر کردہ فرائض سے رو گردانی کرو گے۔ ان کی محبت کے غلو میں تم بھول جاؤ گے، خدا کو، رسول کو اور آخرت کو ــ یہ محبت ایک حد کے اندر رہنی چاہئے، اس سے زیادہ بڑھی تو یہ محبت، محبت نہیں ہے بلکہ عداوت بن جائے گی۔ یہ نقطۂ نظر واضح طور پر سامنے رہنا چاہیے۔ اگر کوئی شخص واقعتاً ایمان رکھتا ہو۔ یٰاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا اِنَّ مِنْ اَزْوَاجِکُمْ وَاَوْلَادِکُمْ عَدُوًّا لَّکُمْ فَاحْذَرُوْهُمْ، حذر کہتے ہیں بچاؤ کو۔ ڈھال کو بھی کہتے ہیں۔ صلوٰۃ خوف کے جو احکام آتے ہیں ان میں یہ لفظ آیا ہے۔ فَخُذُوْا حِذْرَکُمْ۔ لہٰذا بچ کر رہو، سنبھل کر رہو، ہوشیار رہو، چوکس اور چوکنا رہو۔ تم کہیں ذرا غافل ہوئے اور اس محبت نے ڈنگ مارا۔ یہ محبت تمہیں ہلاک کر دے گی۔ اسی لئے حضورؐ نے فرمایا "بڑا ہی احمق ہے وہ شخص، جس نے دوسروں کی دنیا بنانے میں اپنی عاقبت تباہ کرالی" یہ بیوی اور اولاد دراصل "دوسرے" ہی ہیں۔ بظاہر معلوم یہ ہوتا ہے کہ یہ میری ہستی کا تسلسل ہے۔ لیکن جب اولاد بڑی ہو جاتی ہے، خود مختار ہو جاتی ہے تو پتہ چلتا ہے کہ نہیں یہ تو بالکل علیحدہ لوگ ہیں۔ ان کی سوچ علیحدہ میری سوچ علیحدہ۔ ان کی فکر علیحدہ اور وہ منہ پر کھڑے ہو کر کہتے ہیں کہ آپ کی یہ بات ہماری سمجھ میں نہیں آتی۔ معلوم ہوا کہ وہ سارے محل کھنڈر بن کر رہ گئے کہ انسان سمجھ رہا تھا کہ یہ لوگ ہر بات میں میری پیروی کریں گے ــ وہ تو Project کرتا ہے اپنے آپ کو اپنی اولاد میں، لیکن بعد میں یہ معلوم ہوتا ہے کہ نہیں یہ غیر ہیں۔ یہ دوسرے ہیں۔ ان کا ایک اپنا مستقل وجود ہے۔ خدا نے انہیں تم سے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

وابستہ کر دیا۔ لیکن اپنی جگہ پر ہر ایک کی اپنی شخصیت ہے۔ ان کی دنیا بنانے کے لئے تم اپنی عاقبت تباہ کرا لو گے۔ اس سے بڑی کوئی حسرت والی بات نہیں ہو گی۔ یہی چیز حسرت بنے گی قیامت میں جا کر۔ وہاں تو یہ حال ہو گا کہ "فَاِذَا جَآءَتِ الصَّآخَّةُ ○ يَوْمَ يَفِرُّ الْمَرْءُ مِنْ اَخِيْهِ ○ وَاُمِّهٖ وَاَبِيْهِ ○ وَصَاحِبَتِهٖ وَبَنِيْهِ ○ لِكُلِّ امْرِیٍٔ مِّنْهُمْ يَوْمَئِذٍ شَاْنٌ يُّغْنِيْهِ ○" پھر جس وقت کانوں کو بہرہ کر دینے والا شور ہو گا۔ قیامت آ جائے گی۔ حشر قائم ہو گا تو اس روز انسان اپنے بھائی سے اور اپنی ماں سے اور اپنے باپ سے اور اپنی بیوی سے اور اپنی اولاد سے بھاگے گا۔ نہ خود کسی سے ہمدردی کرے گا نہ اس روز اس کو کسی کی ہمدردی حاصل ہو گی۔ اس روز ہر شخص ایسی نفسا نفسی میں ہو گا کہ اس کو کسی دوسری طرف توجہ بھی نہیں ہو گی ـــــ ان کی خدمت کرو، ان کو کھلاؤ، پلاؤ، خدا کی طرف سے عائد کردہ ایک ذمہ داری جان کر ـــ خدا کی ایک امانت سمجھ کر۔ بس اس سے زیادہ سمجھا تو غلط سمجھا۔ اس کی حسرت دنیا میں بھی دیکھ لو گے۔ تمہیں یہ تمام کوششیں اور لاڈ پیار، چاؤ چوچلے حسرت بن کر سامنے آ جائیں گے۔ اور آخرت میں جو ہو گا سو ہو گا۔ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنَّ مِنْ اَزْوَاجِكُمْ وَاَوْلَادِكُمْ عَدُوًّا لَّكُمْ فَاحْذَرُوْهُمْ ط یہی مضمون بڑی وضاحت کے ساتھ سورہ توبہ میں آیا ہے۔ یہاں دو رشتوں پر اکتفاء کی گئی وہاں سارے علائق گن دیئے اور بیان کر دیئے گئے فرمایا "قُلْ اِنْ كَانَ اٰبَآؤُكُمْ وَاَبْنَآؤُكُمْ وَاِخْوَانُكُمْ وَاَزْوَاجُكُمْ وَعَشِيْرَتُكُمْ وَاَمْوَالُ ۨاقْتَرَفْتُمُوْهَا وَتِجَارَةٌ تَخْشَوْنَ كَسَادَهَا وَمَسٰكِنُ تَرْضَوْنَهَآ اَحَبَّ اِلَيْكُمْ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَجِهَادٍ فِيْ سَبِيْلِهٖ فَتَرَبَّصُوْا حَتّٰى يَاْتِيَ اللّٰهُ بِاَمْرِهٖ ط وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْفٰسِقِيْنَ ○ یہ چیزیں کہیں خدا اور اس کے رسول اور جہاد فی سبیل اللہ سے زیادہ محبوب ہو گئیں۔ علائق دنیوی اور مال تو پھر منتظر رہو۔ اس لفظ "تَرَبَّصُوْا" میں بڑی بیزاری اور تہدید ہے۔ یہاں تک کہ اللہ اپنا فیصلہ سنا دے، اس کا عذاب تم کو پکڑ میں لے اور ایسے فاسقوں کو اللہ ہدایت نہیں دیتا۔ نہیں چاہئیں اللہ کو ایسے لوگ۔ یہ ہے اصل اسلوب اس آیت کریمہ کا "يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنَّ مِنْ اَزْوَاجِكُمْ وَاَوْلَادِكُمْ عَدُوًّا لَّكُمْ فَاحْذَرُوْهُمْ ط" ـــ لیکن آگے اسی بات کو متوازن کیا جا رہا ہے۔ اب آیت کے بقیہ حصہ کو پڑھیے۔ بتایا جا رہا ہے کہ اگر ایسا ہی رہا تو پھر گھر ایک میدانِ جنگ بن کر

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

رہ جائے۔ خاندان کے ادارے میں محبت، الفت، رأفت، ہمدردی، شفقت بہرحال مطلوب ہے۔ یہ نہ ہو کہ ہاتھ میں ہر وقت ڈنڈا سنبھالا ہوا ہو اور سوائے خشونت اور سختی کے، سوائے درشتگی کے اور کچھ نہ ہو۔ اپنے رویہ کو متوازن (Balanced) رکھو۔ اپنا تحفظ ضرور کرو کہ کہیں ان کی محبت غیر شعوری یا شعوری طور پر تمہاری عاقبت تباہ نہ کرا دے۔ لیکن ان کے ساتھ تمہارا رویہ یہ ہونا چاہیئے کہ وَاِنْ تَعْفُوْا وَتَصْفَحُوْا وَتَغْفِرُوْا فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝ غور کیجئے کہ یہاں تین ایسے الفاظ کیوں آئے ہیں جو بالکل مترادف ہیں۔ "اور اگر تم معاف کر دیا کرو اور چشم پوشی سے کام لیا کرو اور بخش دیا کرو تو اللہ بھی غفور اور رحیم ہے"۔ یعنی ان کی تربیت کی فکر کرو اور تربیت میں محبت و شفقت مؤثر ہے۔ درشتی اور سختی مؤثر نہیں۔ لہٰذا عفو ہو، درگذر ہو، صفح جمیل ہو، معاف بھی کر دیا جائے۔ وہ یہ محسوس نہ کریں کہ ان کے دل میں میرے لئے کوئی محبت ہی نہیں۔ اگر انہیں یہ احساس ہو گیا تو پھر اصلاح کا کوئی امکان ہی نہیں۔ پھر تو بغاوت کا مادہ پیدا ہوگا۔ یہی ہوتا ہے ہمارے بعض دین دار گھرانوں میں، جن پر کچھ زیادہ تقشف کا دورہ پڑتا ہے، اور وہ اپنی اولاد کے لئے، گھر والوں کے لئے گویا ہر وقت لاٹھی لئے ہوئے ہوتے ہیں تو نتیجہ بالعموم یہ نکلتا ہے کہ بغاوت پیدا ہو جاتی ہے۔ اس میں بڑی حکمت اور بڑے اعتدال کی ضرورت ہے۔ یہ آیت میرے نزدیک ان آیات میں سے ہے۔ ان خاص مقامات میں سے ہے یہ مقام جہاں جا کر ذہنِ انسانی بالکل بیچارا ہو کر یہ بات ماننے پر مجبور ہو جاتا ہے کہ سوائے خدا کے اور کسی کا کلام نہیں۔ اس لئے کہ یہ توازن! یہ اعتدال! خالق کائنات ہی کو سزاوار ہے۔ ایک ہی آیت میں ایک طرف کہا جا رہا ہے کہ تمہاری بیویاں اور تمہاری اولاد تمہاری دشمن ہیں۔ ان سے بچو۔ لیکن اسی آیت میں دوسری طرف یہ تاکید کہ معاف کرو۔ درگذر کرو۔ بخش دو۔ وَاِنْ تَعْفُوْا وَتَصْفَحُوْا وَتَغْفِرُوْا، تین شانیں، تین صفات اللہ تعالیٰ کی۔ وہ معاف فرمانے والا ہے۔ صفح جمیل اس کا طریقہ ہے۔ وہ مغفرت فرمانے والا ہے۔ یہی تین صفتیں تم کو اختیار کرنے کی ہدایت کر رہا ہے۔ یہاں غور کیجئے کہ عفو، صفح اور غفر کی ہدایت کے لئے دلیل کیا پیش فرمائی جا رہی ہے۔ "فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝ پس اللہ بھی غفور اور رحیم ہے" لہٰذا تم بھی اپنے اندر انہی صفاتِ ربانیہ کا عکس پیدا کرو۔ تم خود سوچو خدا نے تمہیں کتنی ڈھیل دی۔ اپنے باطن میں [illegible] لئے پھر رہے ہو اور خدا

©rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

پھر بھی چشم پوشی کئے ہوئے ہے۔ مہلت دے رہا ہے۔ اس کی ربوبیت ہو رہی ہے لہٰذا تم بھی یہی رویہ اختیار کرو، اسی رویہ سے تربیت کرو۔ وَاِنْ تَعْفُوْا وَتَصْفَحُوْا وَتَغْفِرُوْا فَاِنَّ اللّٰہَ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ ۝ — یہ آیت کریمہ گویا کہ علائق دنیوی کے لئے ایک مومن کی زندگی میں ایک اساس کا درجہ رکھتی ہے۔ علائق دنیوی کے لئے اس کا نقطۂ نظر کیا ہو جانا چاہیئے، تعلقاتِ دنیوی کے باب میں اس کا رویہ کیا ہو جانا چاہیئے۔ یہ آیت ان کو متعین کر رہی ہے۔ اصول بیان کر دیا گیا ہے۔ اب آپ اسے پھیلاتے چلے جائیے۔

علائق دنیوی کے علاوہ دوسری چیز جس میں یہاں انسان بندھا ہوا ہے۔ وہ مال ہے۔ اس لئے کہ وہی ذریعہ حیات ہے۔ قرآن مجید نے ہی بتایا ہے :- یہ مال تمہارے قیام وحیات کا ذریعہ ہے۔ اس کے بارے میں تمہارا کیا نقطۂ نظر ہونا چاہیئے! اِنَّمَآ اَمْوَالُکُمْ وَاَوْلَادُکُمْ فِتْنَۃٌ ط یہ تمہارے اموال اور اولاد فتنہ ہیں۔ کسوٹیاں ہیں جن پر تم پرکھے جا رہے ہو۔ فتنہ کے معنی، وہ کسوٹی جس پر پرکھ کر گھس کر دیکھا جائے کہ کوئی چیز کھری ہے یا کھوٹی ہے۔ جو کچھ تمہیں دیا ہے، یوں سمجھو کہ امتحان کا ایک پرچہ ہے، جو لکھنے کے لئے تمہیں دیا گیا ہے۔ اگر تم نے کہیں سمجھا کہ یہ تو میری اپنی صلاحیتوں کا ثمرہ ہے، اُوْتِیْتُہٗ عَلٰی عِلْمٍ عِنْدِیْ ط میں نے تو اپنے علم اور ہنر سے یہ سارا مال پیدا کیا ہے۔ لہٰذا میرا اس کے اوپر ملکیت کا حق ہے۔ چنانچہ میں جیسے چاہوں، خرچ کروں۔ چاہوں تو تجوری میں بند کر دوں، چاہوں تو بینک میں جمع کرا کے سود لوں، چاہوں خود سود پر چلاؤں، چاہوں تو اس سے سینما کھول دوں نائٹ کلب قائم کر دوں۔ لوگوں کے اخلاق بگاڑوں اور مزید پیسے حاصل کر دوں، میں جو چاہوں کروں۔ اس پر میرا کامل اختیار ہے۔ تو معلوم ہوا کہ فَقَدْ ضَلَّ ضَلٰلًا بَعِیْدًا۔ اس مال کے بارے میں جو اصل ہدایت ہے وہ یہ ہے کہ یہ عطیۂ خداوندی ہے، تمہاری محنت وصلاحیت کا نتیجہ نہیں ہے۔ تم خود بادنیٰ تامل دیکھ سکتے ہو کہ تمہارے گرد وپیش میں تم سے زیادہ محنت کرنے والے اور تم سے زیادہ باصلاحیت لوگ معاشی پریشانیوں میں مبتلا نظر آتے ہیں۔ اللہ تم کو دے کر آزما رہا ہے اور انہیں محروم رکھ کر ان کا امتحان لے رہا ہے، دونوں ہی امتحان گاہ میں ہیں اور دونوں کے ہاتھ میں

امتحانی پرچہ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اور مال کے بارے میں تو عدالتِ خداوندی کے کٹہرے میں دو سوال ہوں گے مِنْ اَیْنَ اکْتَسَبَهٗ وَفِیْمَا اَنْفَقَهٗ۔ "وہ مال کہاں سے کمایا تھا اور کہاں خرچ کیا ؟" اس کی پوری جواب دہی کرنی پڑے گی اب اس بات کو ذرا منطقی انتہا تک پہنچایئے، جس کو اس دنیا میں زیادہ ملا ہے اُسے خوش ہونا چاہیے، لیکن ایک اس کے بالکل برعکس نقطۂ نظر بھی ہے۔ اور وہ یہ کہ جسے یہاں زیادہ ملا ہے اس پر زیادہ گھبراہٹ طاری ہو۔ اس لیے کہ جتنا ملا ہے اس کا حساب بھی دینا ہوگا۔ زیادہ ملا ہے تو گویا آزمائش مزید کڑی ہوگی، محاسبہ سخت تر ہو جائے گا۔ یہ ہے وہ معاملہ جو ہمیں امام احمد بن حنبلؒ کے ہاں نظر آتا ہے۔ ایک آزمائش وہ تھی جب انہیں وہ مار پڑ رہی تھی، جس کے بارے میں یہ الفاظ آتے ہیں کہ اگر ہاتھی کو بھی وہ مار پڑتی تو بلبلا اٹھتا، لیکن صبر و ثبات کی چٹان ہیں، آنکھوں میں آنسو نہیں آئے ــــ پھر ایک اور نقشہ سامنے آتا ہے۔ حکومت بدل گئی اب جو خلیفہ بنے ہیں وہ امامؒ کے معتقد ہیں۔ انہوں نے اشرفیوں بھری تھیلی دے کر امام صاحبؒ کی خدمت میں ایلچی بھیجا ہے۔ وہ تھیلی جب امام احمد بن حنبلؒ کے سامنے آتی ہے تو رو پڑتے ہیں۔ "اے اللہ! میں اس آزمائش کے قابل نہیں ہوں!" یہ کن کا نقطۂ نظر ہے! جن کے اندر ایمان رچ بس گیا ہے۔

جو اس حقیقت سے واقف ہیں کہ تکلیف اور تنگی کی صورت میں تو خدا کی طرف کچھ نہ کچھ انابت اور رجوع پیدا ہوتا ہے لیکن مال کی کثرت انسان کو غفلت میں مبتلا کرتی ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بڑی پیاری حدیث ہے کہ مَا قَلَّ وَكَفٰی خَیْرٌ مِّمَّا کَثُرَ وَاَلْھٰی "جو چیز کم ہو اور کفایت کر جائے (کسی کے سامنے دستِ سوال دراز کرنے کی نوبت آنے پائے) وہ اس چیز (مال و دولت) سے بہتر ہے جو کثیر ہو اور غافل کر دے!" جب دنیا کے بارے میں ہمارا نقطۂ نظر یہ ہے کہ "کُنْ فِی الدُّنْیَا کَاَنَّکَ غَرِیْبٌ اَوْ عَابِرُ سَبِیْلٍ"[1] معلوم ہوا کہ اگر فی الواقع دنیا سے اسی قدر تعلق ہے جتنا ایک راہ چلتے مسافر کو اپنے راستے سے ہوتا ہے تب تو معاملہ درست ہے، لیکن اگر دنیا سے دلچسپی اس سے زیادہ ہے تو معلوم ہوا کہ ایمان انسان کے قلب و ذہن میں جن حقائق کو منور کرتا ہے، وہ روشنی ابھی پیدا نہیں ہوئی۔

آگے فرمایا وَاللّٰهُ عِنْدَهٗۤ اَجْرٌ عَظِیْمٌ۔ "اللہ ہی کے پاس ہے اجرِ عظیم" ہر انسان اپنے آپ کو INVEST کرتا ہے یعنی اپنی صلاحیتوں اور اپنے اوقات کو لگاتا ہے، خرچ کرتا ہے، کھپاتا ہے۔ کیوں! کسی اجر کی توقع میں ــــ بہت سے لوگ ایسے ہیں جن کے بارے میں یہ کہنا

---

[1] "دنیا میں ایسے رہو گویا کہ تم اجنبی ہو یا راہ چلتے مسافر" (حدیث نبوی)

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

بالکل صحیح ہوگا کہ انہوں نے اپنے آپ کو کلیتہً اپنی اولاد کے لیے INVEST کر دیا ہے دیکھا گیا ہے۔ ایک صاحب نے ایک مرتبہ بڑی پیاری بات کہی تھی کہ جائی ہم تو روتی تیرتے پر ملازم ہیں اپنی اولاد کے ــــ اولاد کا معیارِ زندگی بہتر سے بہتر ہو جائے۔ اُن کی تعلیم کسی اونچے درجے کے انگلش سکول میں ہو اور ان کی ہر جائز و ناجائز فرمائش پوری کر دی جائے۔ چنانچہ ساری محنتوں، پوری کوششوں اور تمام تر جد وجہد کا مرکز و محور کون ہے! اولاد ــــ! اور اولاد سے توقع یہ ہے کہ وہ بڑھاپے میں سہارا بنے گی ــ لیکن یہ اولاد آپ کو کیا مدد دے سکتی ہے! یہ اُس وقت معلوم ہوگا جب بیٹا سینہ تان کر باپ کے سامنے کھڑا ہوگا: "اباجان آپ کی فلاں بات میری سمجھ میں نہیں آتی۔ آپ کسی اور زمانے کی بات کرتے ہیں اور اب زمانہ بہت بدل چکا ہے ــــ!" تب یہ حقیقت کھلے گی کہ "من دیگرم تو دیگری"! وہ حدیث ذہن میں تازہ کر لیجئے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا کہ سب سے ناسمجھ اور بے وقوف شخص وہ ہے جو دوسروں کی دنیا بنانے کے لیے اپنی عاقبت تباہ کر لے ــــ جب انسان اولاد کی دنیا بنانے کے لیے حلال و حرام کی تمیز اٹھا دیتا ہے تو وہ سمجھتا ہے کہ یہ اولاد دراصل میری اپنی شخصیت کا تسلسل ہے۔ اُسے قطعاً کسی قسم کی غیریت کا احساس نہیں ہوتا لیکن ایک وقت آتا ہے جب معلوم ہوتا ہے کہ یہ "میں" نہیں ہوں ان کا اپنا جداگانہ تشخص ہے، ان کی اپنی سمجھ ہے، اپنا فہم ہے، پسند و ناپسند کا اپنا معیار ہے۔ گویا یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ "من دیگرم تو دیگری"! ــ تاریخ انگلستان میں ایک وزیر کا واقعہ مشہور ہے کہ اُس نے بادشاہ کا خزانہ بھرنے کے لیے جائز ناجائز، حلال و حرام، ظلم و تعدی غرض کہ ہر ذریعہ اختیار کیا لیکن پھر وہ وقت بھی آیا کہ بادشاہ نے اُسی کو بڑھاپے میں ذلیل و رسوا کیا اور قید کر دیا۔ اس وقت اس وزیر کی زبان پر یہ الفاظ آئے کہ میں نے جتنی خدمت بادشاہ کی کی ہے کاش کہ اتنی خدمت میں خدا کی کرتا تو مجھے وہ بڑھاپے میں اس طرح ذلیل و خوار نہ کرتا ــ معلوم ہوا کہ کسی اور سے اجر کی توقع رکھنے کے نتیجے میں اکثر و بیشتر مایوسیوں اور ذہنی اذیتوں سے سابقہ پیش آتا ہے! چنانچہ واضح فرما دیا۔ وَاللّٰهُ عِنْدَهٗٓ اَجْرٌ عَظِيْمٌ "اجرِ عظیم تو اللہ ہی کے پاس ہے!"

حضرات یہ ہیں وہ پانچ آیات جن میں ایمان کے ثمرات کا بیان ہے۔ یعنی ایمان کے نتیجے میں انسان کے نقطۂ نظر، اُس کی سوچ، اُس کے غور و فکر کے انداز میں ایک عظیم تبدیلی رونما ہو جاتی ہے اور تمام علائق اور مال و اسباب دنیوی کے بارے میں اُس پر گویا وہ حقیقت منکشف ہو جاتی ہے جسے نہایت خوبصورت انداز میں علامہ اقبال نے بیان کیا تھا کہ ؎

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

یہ مال و دولتِ دنیا یہ رشتہ و پیوند بتانِ وہم و گماں، لاالٰہ الاّ اللہ!

پانچ آیات میں لاالٰہ الا اللہ کے نتائج کو انتہائی جامعیت کے ساتھ بیان فرمانے کے بعد اب اسلوب بدلتا ہے، بالکل اسی طرح جیسے اس سورت کے پہلے رکوع میں ہم دیکھ آئے ہیں۔ کہ ابتدائی سات آیات میں ایمانیات ثلاثہ کے بیان کے بعد اسلوب میں ایک تبدیلی آئی تھی اور دعوتِ عمل دی گئی تھی کہ فَاتَّقُوا اللّٰہَ مَا اسْتَطَعْتُمْ "پس تقویٰ اختیار کرو اللہ کا، جتنی بھی استطاعت تمہارے اندر ہے"۔ یہ تو درحقیقت اطاعت ہی کا لازمی تقاضا ہے کہ کہیں حکم خداوندی کی خلاف ورزی نہ ہو جائے، کہیں ہمارے ہاتھ یا پاؤں سے ایسی حرکت نہ ہو جائے جو اللہ کی مرضی کے خلاف ہو، زبان یا آنکھ ایسی جنبش نہ کر بیٹھیں جسے ہمارا رب ناپسند کرتا ہو۔ تقویٰ یہی تو ہے! حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی مجلسِ شوریٰ میں حضرت ابی بن کعبؓ نے تقویٰ کی جو تعریف (DEFINITION) کی تھی اُسے ذہن میں لائیے ـــ حضرت ابیؓ ابن کعب کون ہیں! یہ وہ صحابی ہیں جن کے بارے میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا اَقْرَءُهُمْ اُبَیُّ ابْنُ کَعْبٍ یعنی صحابہ کرام میں قرآن مجید کے سب سے بڑے قاری اور عالم ابیؓ ابن کعب ہیں ـــ وہؓ فرماتے ہیں امیر المومنین! جب کسی انسان کو کسی ایسے جنگل یا راستے سے گزرنا پڑے جو خاردار جھاڑیوں سے اَٹا ہوا ہو تو وہ شخص اپنے کپڑوں کو سمیٹتا ہے، پھونک پھونک کر قدم رکھتا ہے کہ کہیں دامن کسی جھاڑی میں اُلجھ نہ جائے۔ یہی معاملہ اس دنیا کا ہے۔ دنیا کی زندگی بھی ایک راہ گذر ہے اور یہاں پر چہار طرف معصیت اور گناہ کی خاردار جھاڑیاں ہیں، جابجا گناہوں کی دعوت ہے، تمام ذرائع ابلاغ دعوتِ معصیت کو پھیلانے میں لگے ہوئے ہیں، یہاں بچ بچ کر قدم رکھنا ہے اور پھونک پھونک کر قدم اٹھانا ہے اور اپنے دامن کو سمیٹنا ہے کہ کہیں آلودہ نہ ہو جائے۔ یہی تقویٰ ہے۔ ـــ فَاتَّقُوا اللّٰہَ مَا اسْتَطَعْتُمْ اس آیت کے بارے میں یہ روایت ملتی ہے کہ جب یہ نازل ہوئی تو صحابہؓ نے اطمینان کا سانس لیا۔ اس لیے کہ اس سے قبل سورہ آلِ عمران میں وہ آیت نازل ہو چکی تھی جس میں تقویٰ کا حکم انتہائی تاکیدی انداز میں آیا ہے کہ یٰاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰہَ حَقَّ تُقٰتِہٖ "اے ایمان والو! اللہ کا تقویٰ اختیار کرو جتنا کہ اس کے تقویٰ کا حق ہے۔" صحابہؓ کانپ اٹھے تھے کہ اللہ کا حق تقویٰ کون ادا کر سکتا ہے ـــ پھر جب سورۃ تغابن کی یہ آیت نازل ہوئی کہ "اللہ کا تقویٰ اختیار کرو جتنا تمہارے حدِ استطاعت میں ہے،" تب صحابہؓ نے اطمینان کا سانس لیا اب تقویٰ کے معاملے میں ہر شخص اپنی استطاعت کے مطابق مکلف ہے ـــ آگے ارشاد ہوتا ہے وَاسْمَعُوْا وَاَطِیْعُوْا "اور سنو اور

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اطاعت کرو!" سمع وطاعت قرآن کی ایک عجیب اصطلاح ہے، محض سننے سے اطاعت لازم آجاتی ہے، ایک انداز تو یہ ہے کہ سنیں گے۔ غور کریں گے ــــ پھر سمجھ میں آئے گا تو مانیں گے، اور ایک طرزِ عمل یہ ہے کہ سُنا اور اطاعت کی! اللہ اور اس کے رسُول کی جو بات کان میں پڑی، سرِ تسلیم خم! زمین و آسمان کا فرق ہے، تجزیہ کیجئے تو بات واضح ہو جائے گی کہ اگر سمع وطاعت کے درمیان اپنی سمجھ کو حائل کر لیا تو دراصل اطاعت اللہ اور اس کے رسُول کی نہیں، اپنی سمجھ کی ہے! بات بالکل سادہ کہ اگر معاملہ یہ ہے کہ سنیں گے سمجھ میں آئے گا تو مانیں گے تو کیا معنی ہوئے! یہاں اصل مطاع کون ہے! اللہ اور اس کے رسُول نہیں ہیں، اپنی سمجھ ہے، ہمارے دین کی تعلیم یہ ہے کہ "سمجھ" کا کام صرف یہ ہے کہ اللہ کے حکم کو سمجھے اور اس کی حکمتوں کو سمجھے، سمجھ میں آجائے تو نورٌ علیٰ نور ــــ اور سمجھ میں نہ آئے تب بھی عمل لازم ہے۔ مجرد سمع سے اطاعت لازم آجاتی ہے ــــ وَاَنْفِقُوْا خَيْرًا لِّاَنْفُسِكُمْ" اور خرچ کرو، یہی تمہارے حق میں بہتر ہے" یعنی یہ جو مال واسباب دنیوی جمع کیا ہے اسے خرچ کرو یعنی اللہ کے راستے میں لگا دو۔ یہی تو ہے جو تمہارے لیے سب سے بڑا فتنہ ہے۔ کیا زہریلے سانپوں کو اپنے گرد اکٹھا کرنا بہتر ہے یا انہیں اپنے سے دُور کرنے میں عافیت ہے! خیر و عافیت اسی میں ہے کہ اس مال کو خرچ کرو، اسے اللہ کی راہ میں دینے کی عادت بناؤ، وہ نقشہ نہ ہو کہ اَلَّذِیْ جَمَعَ مَالًا وَّعَدَّدَهٗ[1] بلکہ نقطۂ نظر وہ ہونا چاہیئے جو ہمیں حضُور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاں نظر آتا ہے کہ جو اللہ کی راہ میں دے دیا وہ ہے اصل بچت۔ بڑا پیارا واقعہ ہے کہ ایک بار ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے ہاں بکری ذبح ہوئی۔ حضرت عائشہ رضؓ نے تمام گوشت تقسیم کر دیا۔ صرف ایک شانہ رکھ لیا حضُورؐ کو شانے کا گوشت مرغوب تھا۔ آپؐ گھر میں تشریف لائے اور زوجہ محترمہ سے دریافت فرمایا۔ مَابَقِیَ مِنْهَا "اس بکری میں سے کیا بچا؟" حضرت عائشہؓ نے جواب دیا مَابَقِیَ مِنْهَا اِلَّا كَتِفُهَا یعنی بکری میں سے کچھ نہیں بچا سوائے اُس کے ایک شانے کے ــــ فرمایا بَقِیَ كُلُّهَا اِلَّا كَتِفُهَا "بکری کا تمام گوشت بچ گیا سوائے اس کے ایک شانے کے۔" درحقیقت بچت وہ ہے جو اللہ کی راہ میں دے دی گئی اور جو شے ہم نے استعمال (CONSUME) کر لی وہ خرچ ہو گئی، ایمان بالآخرت کے نتیجے میں انسان کے نقطۂ نظر میں یہ تبدیلی آجانی چاہیے کہ جو کچھ اللہ کی راہ میں دے دیا وہ اصل بچت ہے، جو ہم نے کھا لیا، پہن لیا اور ختم کر دیا وہ خرچ (CONSUMPTION) ہے۔ چنانچہ فرمایا کہ بہتر یہی ہے کہ اللہ کی راہ میں دے دو ــــ اور جان لو کہ اگر مال کی محبت تمہارے دل میں باقی رہی

[1] ترجمہ: "جس نے مال جمع کیا اور گن گن کر رکھا" (اس کے لیے ہلاکت و بربادی ہے)

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اور تمہیں اللہ کی راہ میں خرچ کرنے سے روکتی رہی تو یہ "شح" ہے یعنی بخل ہے۔ ــــ وَمَنْ يُوْقَ شُحَّ نَفْسِهٖ: "جو اس شح سے بخل سے بچا لیا گیا" یعنی جس کی یہ رکاوٹ (BRAKE) دور کر دی فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ "تو یہی لوگ ہیں جو فلاح پانے والے ہیں"۔ یعنی جو شخص جی کے لالچ سے، مال کی محبت سے، طمع اور حرص سے بچا لیا گیا تو ایسے ہی لوگ قیامت کے روز کامیابی سے ہمکنار ہوں گے۔

اگلی آیت میں انفاق پر مزید زور دیا گیا ہے: اِنْ تُقْرِضُوا اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا يُّضٰعِفْهُ لَكُمْ وَيَغْفِرْ لَكُمْ "اگر تم اللہ کو قرضِ حسنہ دو گے اللہ تعالیٰ تمہارے لیے اُسے کئی چند کر دے گا اور تمہاری مغفرت کرے گا"۔ اللہ کی راہ میں اگر انفاق کیا جائے کچھ خرچ کیا جائے تو اللہ تعالیٰ اسے اپنے ذمے قرض سے تعبیر فرماتے ہیں۔ حالانکہ اس کائنات میں جو کچھ ہے وہ اللہ کا ہی ہے۔ وَلِلّٰهِ مِيْرَاثُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ۔ لیکن اللہ ہماری حوصلہ افزائی اور قدر افزائی فرماتا ہے کہ ہمارے انفاق کو اپنے ذمے قرض قرار دیتا ہے۔ اور پھر دنیا کا قرضِ حسنہ تو وہ ہے جس میں صرف راس المال واپس آتا ہے اس پر کوئی اضافہ نہیں ہوتا لیکن اللہ کو جو قرضِ حسنہ دیا گیا ہے وہ اُس میں اضافہ فرمائے گا اور مزید انعام یہ کہ تمہاری مغفرت فرمائے گا ــــ اس کے بعد آیت کے اختتام پر اللہ کی جو دو صفات آئی ہیں وہ بہت معنی خیز ہیں اور یہاں پر معنوی ربط ہے: وَاللّٰهُ شَكُوْرٌ حَلِيْمٌ "اور اللہ انتہائی قدردان ہے، بردبار ہے" عٰلِمُ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ۔ "وہ غیب وحاضر (کھلے اور چھپے) سب کا جاننے والا ہے اور انتہائی زبردست (با اختیار) اور کمالِ حکمت والا ہے ــــ یعنی اگرچہ وہ العزیز ہے، یعنی اس کا اختیار مطلق ہے لیکن اسکے ساتھ ساتھ وہ الحکیم بھی ہے کمالِ حکمت والا ہے یعنی اپنے اختیار کو حکمت کے ساتھ استعمال کرتا ہے۔ اس آیت پر یہ سورۃ مبارکہ ختم ہوتی ہے اللہ تعالیٰ ہمارے دلوں میں ایمان کا نور پیدا فرمائے اور ہمیں ایمان کے ثمرات سے حصہ عطا فرمائے۔

بَارَكَ اللّٰهُ لِیْ وَلَكُمْ فِی الْقُرْاٰنِ الْعَظِيْمِ وَنَفَعَنِیْ وَاِيَّاكُمْ بِالْاٰيٰتِ وَالذِّكْرِ الْحَكِيْمِ۔

قرآنِ حکیم کی مقدس آیات اور احادیث نبوی آپ کی دینی معلومات میں اضافہ اور تبلیغ کیلئے شائع کی جاتی ہیں۔ ان کا احترام آپ پر فرض ہے۔ لہذا جن صفحات پر یہ آیات درج ہیں ان کو صحیح اسلامی طریقہ کے مطابق بے حرمتی سے محفوظ رکھیں۔

© rasailojaraid.com